اقبالؒ کی شاعری میں آئینے کا مفہوم

پروفیسر محمد انور صادق

اقبال شاعر بھی ہیں اور فلسفی بھی، اس لیے جب وہ شاعری کرتے ہیں تو انہیں شاعرانہ وسیلوں سے کام چلانا پڑتا ہے، اور جب وہ فلسفیانہ مسائل پر قلم اٹھاتے ہیں تو انہیں فلسفے کے تقاضے پورے کرنے پڑتے ہیں جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں، تخیل سے شاعرانہ مواد حاصل ہوتا ہے جسے تشبیہات و استعارات اور رموز و علامات سے مزین کر کے بیان کیا جاتا ہے، جبکہ فلسفے کا مواد تعقل سے حاصل ہوتا ہے جو صاف ستھری اور غیر مبہم زبان کا تقاضا کرتا ہے، اس لیے جب ایک فرد شاعر بھی ہو اور فلسفی بھی تو اسے بیک وقت شاعری اور فلسفے کے تقاضوں پر پورا اترنے میں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس کا نتیجہ دونوں میں تضادات کی شکل میں نمودار ہو سکتا ہے اقبال کی شاعری اور فلسفہ بھی اس صورت حال سے دوچار ہوئے بغیر نہیں رہ سکے، لیکن بعض اوقات ان کی شاعرانہ اور فلسفیانہ فکر میں اس قدر ہم آہنگی پائی جاتی ہے کہ تعجب ہوتا ہے اقبال کی اس فکری ہم آہنگی پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد ریاض لکھتے ہیں

> ''ایک شاعر جب نثر نگار بھی ہو تو اس کے اشعار اور عبارتیں متقابل وضاحت پیش کرتی ہیں علامہ اقبال کے ہاں بھی ایسے ہی ہے،

یعنی کبھی نثر شعر کی اور شعر نثر کی وضاحت کرتا نظر آتا ہے۔''

اقبال کی شاعری میں آئینے کی علامت ان کی شاعرانہ اور فلسفیانہ فکر کی مطابقت اور ہم آہنگی کی عمدہ مثال پیش کرتی ہے جس کا مطالعہ دلچسپ بھی ہے اور اقبال کی فکری ہم آہنگیوں کی تلاش میں مددگار بھی مثال کے طور پر اقبال اپنے تصور زمان و مکاں اور فلسفہ تاریخ جیسے فلسفیانہ تصورات کو'' آئینہ ایام'' اور'' دہر کے آئینہ خانے'' جیسی شاعرانہ ترکیبوں کی مدد سے بیان کرتے ہیں تو وہ گویا اپنی شاعری میں آئینے کو ان تصورات کے علامتی مظہر کے طور پر استعمال کر رہے ہوتے ہیں روح ارضی کی جانب سے آدم کا استقبال کرتے ہوئے اسے آئینہ'' آئینہ ایام'' میں اپنی ادا دیکھ کر تعمیر خودی کی دعوت ایک طرف سے زمان و مکان اور تاریخ کی قوتوں سے نبرد آزمائی کا چیلنج ہی تو ہے اب اگر اقبال اپنے فلسفہ تاریخ کے لیے بحیثیت مجموعی'' آئینہ ایام'' کی ترکیب استعمال کرتے ہیں تو اسی مناسبت سے وہ تاریخ کے اجزا کے لیے بھی آئینے، ہی کا لفظ استعمال کرتے ہیں مثال کے طور پر اقبال کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں

اہل محفل کو دکھا دیں اثر صیقل عشق
سنگ امروز کو آئینہ فردا کر دیں

سامنے رکھتا ہوں اس دور نشاط افزا کو میں
دیکھتا ہوں دوش کے آئینے میں فردا کو میں

اب اگر اقبال کے مندرجہ بالا اشعار پر غور کیا جائے تو ان کا فلسفہ تاریخ کھل کر سامنے آ جاتا ہے ان کے نزدیک سنگ امروز کو آئینہ بنائے بغیر نہ ماضی کے حقائق منکشف ہوتے ہیں اور نہ مستقبل کے امکانات کو گرفت میں لیا جا سکتا ہے اقبال کے مطابق سنگ امروز کو آئینہ بنانے کا آسان نسخہ عشق ہے لیکن بنیادی سوال یہ ہے کہ اقبال عشق سے کیا مراد لیتے ہیں اس کا جواب بقول ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم یہ ہے۔

''عشق قوت عمل اور جوش انقلاب کا ایک بے پناہ سیلان ہے اس کا وظیفہ زمانے کے ساتھ موافقت اور مطابقت پیدا کرنا نہیں بلکہ نا موافق و نامساعد زمانے کو اپنی آرزو کے مطابق ڈھالنا ہے۔''

انبیاء جو اقبال کے نزدیک دولت عشق سے مالا مال ہوتے ہیں، زمانے کی قوتوں کو گرفت میں لا کر تاریخ کا رخ موڑ دیتے ہیں، جیسا کہ وہ اپنے خطبے ''اسلامی ثقافت کی روح'' میں تحریر کرتے ہیں

''نبی کی بازآمد تخلیقی ہوتی ہے وہ ان واردات سے واپس آتا ہے تو اس لیے کہ زمانے کی رو میں داخل ہو جائے اور پھر ان قوتوں کے غلبہ و تصرف سے جو عالم تاریخ کی صورت گر ہیں، مقاصد کی ایک نئی دنیا پیدا کرے۔''

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اقبال کے ہاں عشق، جنون اور وجدان تاثراتی اور علمیاتی لحاظ سے مترادف

اصطلاحات ہیں اقبال فرماتے ہیں

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کر دے

اقبال کا تصور زمان و مکاں اور فلسفہ تاریخ لازمی طور پر ان کے تصور عشق سے وابستہ ہے وہ انسان جو قوت عشق سے تاریخ اور زمانے کی قوتوں پر غلبہ پالیتا ہے اقبال اسے مردحر کا نام دیتے ہیں اور وہ انسان جو ان قوتوں پر قابو پانے کے بجائے خود ان کا غلام بن جاتا ہے اقبال اسے عبد کہتے ہیں اقبال مردحر اور بندہ محکوم کی زندگی کا موازنہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں

''محکوم'' زمانے کی قید و بند میں جکڑا ہوتا ہے اور اس سے باہر نہیں نکل سکتا جبکہ مردحر آزاد ہوتا ہے اور وہ زمانے کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال سکتا ہے

اقبال کے نزدیک مردحر آئینہ ایام، یعنی تاریخ کا جوہر ہوتا ہے، اس لیے ''بندہ محکوم'' کو اس آئینے کے چہرے پر زنگ ہی قرار دیا جا سکتا ہے جو زندگی کے امکانات کو اجاگر کرنے کے بجائے اور بھی دھندلا دیتا ہے مردحر، اگر آئینہ ایام کا جوہر ہے تو عمل مردحر کے آئینہ ہستی کا جوہر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اقبال کے تصور عشق میں عمل کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے جس کے بغیر تاریخ کا رخ نہیں موڑا جا سکتا اقبال مردحر کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں

بے خبر! تو جوہر آئینہ ایام ہے

تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

ایک اور شعر میں مسلمانوں کو ان کا ماضی یاد دلاتے ہوئے کہتے ہیں

ہر مسلماں رگ باطل کے لیے نشتر تھا
اس کے آئینہ ہستی میں عمل جوہر تھا

اقبال اپنی شاعری میں جس چیز کو ''آئینہ ایام'' قرار دیتے ہیں وہ ان کے خطبات میں ''ایام اللہ'' بن جاتی ہے اقبال، تاریخ کو علم کا سرچشمہ قرار دیتے ہوئے ''اسلامی ثقافت کی روح'' میں لکھتے ہیں:

''قرآن پاک نے تاریخ کو ایام اللہ سے تعبیر کیا اور اسے علم کا ایک سرچشمہ ٹھہرایا ہے اس کی ایک اور بنیادی تعلیم یہ ہے کہ اقوام و امم کا محاسبہ انفرادی اور اجتماعی، دونوں لحاظ سے کیا جاتا ہے مزید یہ کہ انہیں اپنی بداعمالی کی سزا اس دنیا میں بھی ملتی ہے، اور یہ وہ بات ہے جس کے ثبوت میں اس نے بار بار تاریخ سے استناد کیا۔''

تاریخ اقبال جسے ''سلسلہ روز و شب'' کا نام بھی دیتے ہیں افراد اور اقوام کا مسلسل محاسبہ کرتی رہتی ہے اور وہی افراد و اقوام بقائے دوام کے سزاوار ٹھہرتے ہیں جو اس کے معیار پر پورے اترتے ہیں، لیکن تاریخ کی کسوٹی پر پورا نہ اترنے والی اقوام موت کے گھاٹ اتار دی جاتی ہیں یہ وہ تاریخی اصول ہے جس سے مفر کی صرف ایک ہی صورت ہے، اور وہ بزبان اقبال یہ ہے۔

صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم

کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

اقبال نے ایام سے آئینہ سازی کے علاوہ الفاظ کے آئینے بھی بنائے ہیں جن کی روشنی میں ان کے فلسفہ زبان و بیان کو باسانی سمجھا جا سکتا ہے انسانی ذہن یا شخصیت کو اگر آئینہ قرار دیا جائے تو ''ذوق گویائی'' اقبال کے نزدیک اس آئینے کا جوہر ہے اب اگر آئینے میں اس کا جوہر باقی نہ رہے تو آئینہ، آئینہ نہیں رہتا۔ انسان کا ذوق گویائی ہی اسے انسان بناتا ہے اقبال اس حقیقت سے بخوبی باخبر ہیں کہ انسان ایک حیوان ناطق ہے، اور نطق ہی انسان کو حیوان سے امتیاز بخشتا ہے نطق میں گویائی بھی شامل ہے اور دانائی بھی، جیسا کہ بقول ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

''انسان کی ایک عام تعریف جو منطق کی کتابوں میں ملتی ہے، وہ یہ ہے کہ انسان حیوان ناطق ہے نطق میں گویائی بھی داخل ہے اور عقل بھی''

الفاظ پر دسترس حاصل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان نے گویائی کے ساتھ ساتھ عقل سے کام لینا بھی سیکھ لیا ہے یہی وجہ ہے کہ اقبال جب اپنی تمام تر شاعرانہ اور حکیمانہ قابلیتوں کو بروئے کار لانے کے باوجود قوم کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے تو اس جوہر کی آرزو کرتے ہیں جو ذوق گویائی کو خموشی سے بدل دے۔

ذوق گویائی خموشی سے بدلتا کیوں نہیں
میرے آئینے سے یہ جوہر نکلتا کیوں نہیں

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ انسان نے اپنی زبان دانی کی بدولت دوسری مخلوقات پر واضح برتری حاصل کر لی ہے اور الفاظ کو اپنے ذہن کا آئینہ بنالیا ہے، لیکن اس کے باوجود اقبال یہ محسوس کرتے ہیں کہ انسانی دل و دماغ میں اٹھنے والے جذبات و خیالات کی تصویر کشی میں الفاظ کے یہ آئینے یا تو مکمل طور پر ناکام ہو جاتے ہیں یا پھر ان کی دھندلی تصویریں پیش کرتے ہیں ابلاغ کے سلسلے میں زبان کی انہی رکاوٹوں کی نشان دہی کرتے ہوئے ڈاکٹر سلیم اختر رقمطراز ہیں:

''ابلاغ کے سلسلے میں بعض اوقات رکاوٹ بھی بنتی ہے یہ اس لیے کہ زبان جہاں اظہار میں امداد کرتی ہے وہاں بعض پابندیوں کی بنا پر رکاوٹ بھی بن سکتی ہے جذبات کا تیز دھارا جب زبان کو اپنے ساتھ خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جائے تو پاگل کی بڑ، غصے کی گرج اور ہذیان کی چیخ جنم لیتی ہے۔''

کیا اقبال کے یہ اشعار ابلاغ کے سلسلے میں زبان کی خامیوں کی واضح نشان دہی کرتے دکھائی نہیں دیتے؟

کیفیت ایسی ہے ناکامی کی اس تصویر میں
جو اتر سکتی نہیں آئینہ تحریر میں

کھول کر آنکھیں مرے آئینہ گفتار میں
آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ

اقبال جب مابعد الطبیعیاتی سطح پر اظہار حقیقت کے ضمن میں زبان کا کردار دیکھتے ہیں تو اس کی کم مائیگی کا احساس اور بھی نمایاں ہو جاتا ہے گفتار جو اقبال کی رائے میں روزمرہ زندگی کے حقائق کا دھندلا سا آئینہ ہی سہی، اظہار حقیقت کے باب میں زنگ کی صورت اختیار کر لیتی ہے جس سے حقیقت کا آئینہ روشن ہونے کے بجائے غبار آلود ہو جاتا ہے اقبال جو ایک شاعر بھی ہیں اور فلسفی بھی، زبان کے اظہاری اور عقلی پہلوؤں پر مکمل عبور رکھنے کے باوجود اظہار حقیقت کے سلسلے میں جامہ حرف کی تنگ دامانی کا شکوہ کیے بغیر نہ رہ سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال اظہار حقیقت کے سلسلے میں زبان (گویائی + تعقل) کی ناکامی کا یہ علاج تجویز کرتے ہیں کہ:

''حقیقت مطلقہ کے تمام و کمال لقا کی خاطر ادراک بالحواس کے ساتھ اس چیز کے مدرکات کا اضافہ بھی ضروری ہے جسے قرآن پاک نے فواد یا قلب سے تعبیر کیا قلب کو ایک طرح کا وجدان یا اندرونی بصیرت کہیے جس کی پرورش مولانا رومؒ کے دلکش الفاظ میں نور آفتاب سے ہوتی ہے اسے دراصل حقیقت مطلقہ تک پہنچنے کا وہ طریق ٹھہرانا چاہیے جس میں باعتبار عضویات، حواس کا مطلق دخل نہیں ہوتا''

حقیقت پہ ہے جامہ حرف تنگ
حقیقت ہے آئینہ، گفتار زنگ

اب دیکھنا یہ ہے کہ اقبال اپنی نثری تحریروں میں زبان اور اس کے ارتقاء کے

بارے میں کیا تحریر کرتے ہیں اقبال 19 اگست 1923ء کو سردار عبدالرب نشتر کے نام اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

''زبان کو میں ایک بت تصور نہیں کرتا جس کی پرستش کی جائے، بلکہ اظہار مطالب کا ایک انسانی ذریعہ خیال کرتا ہوں۔ زندہ زبان انسانی خیالات کے انقلاب کے ساتھ بدلتی رہتی ہے، اور جب اس میں انقلاب کی صلاحیت نہیں رہتی تو مردہ ہو جاتی ہے۔''

اقبال کے نزدیک زبانوں میں انقلاب کی یہ صلاحیت ان کی اندرونی قوتوں سے نشوونما پاتی ہے اور ان کی بقا کا انحصار نئے نئے خیالات اور جذبات کو ادا کر سکنے کی صلاحیت میں پوشیدہ ہے۔ اقبال اپنے ایک مضمون ''ہماری قومی زندگی'' میں زبانوں کے قانون ارتقاء پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ایک زمانہ تھا جب یونانی یولاطینی اور سنسکرت وغیرہ زندہ زبانیں تھیں، مگر اب ایک عرصے سے یہ زبانیں بے جان ہو چکی ہیں۔ ان کی موت کا راز اس قانون کا عمل ہے، اور خود پنجابی زبان جس کو ہم روز مرہ استعمال کرتے ہیں، اس سے روز بروز متاثر ہو رہی ہے۔ ایسے حالات میں یہ لازم ہے کہ اس زبان کا حشر وہی ہو جو اور قدیم زبانوں کا ہوا ہے۔''

اقبال کا فن آئینہ سازی اس وقت اپنے عروج پر دکھائی دیتا ہے جب وہ ''صیقل عشق'' اور ''جنون فتنہ سامان'' کی مدد سے دلوں کو آئینہ بناتے ہیں اقبال کے

یہ آئینے اگر ایک طرف کائنات کے حقائق علمیہ کا انکشاف کرتے ہیں تو دوسری طرف وہ حسن ازل کی کشش سے پیدا ہونے والے جذباتی اتار چڑھاؤ کی جاں سوز کیفیات سے بھی آگاہ کرتے ہیں بقول ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم:

''عشق کے دو پہلو ہیں ایک تاثراتی یا جذباتی، اور دوسرا نظریاتی، یہ دونوں پہلو ایک دوسرے سے جدا بھی ہو سکتے ہیں اور باہم مخلوط بھی ہوتے ہیں''

اس لیے کہ تاثراتی یا جذباتی پہلو کا تعلق واردات قلب سے ہے جبکہ نظریاتی پہلو کا ماہیت اشیاء سے نظریاتی عشق کو اقبال علمیاتی زبان میں وجدان اور شاعرانہ زبان میں دل کا نام دیتے ہیں چنانچہ اقبال اپنی شاعری اور فلسفے میں وہی کچھ کہتے ہیں جو ان کا آئینہ دل یا وجدان انہیں دکھاتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ شاعری میں جو بات وہ شاعرانہ انداز میں کرتے ہیں، فلسفے میں وہی بات فلسفیانہ اسلوب میں کرتے ہیں جس سے بعض اوقات تضاد کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

مجھے راز دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے
وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا

اقبال کی یہ پختہ رائے ہے کہ ایک انسان جب عشق و جنون یا یہ کہ وجدان کو اپنا ذریعہ علم بنا لیتا ہے تو نہ صرف اس پر کائنات کے اسرار و رموز منکشف ہونے لگتے ہیں بلکہ وہ اس کی گہری سے گہری آرزوؤں کی تکمیل میں شریک بھی ہونے لگتا ہے ایسے مرد خود آگاہ کا آئینہ دل قضا کے رازدانوں میں شمار ہونے لگتا ہے اقبال اپنے قاری سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ تجھے میری آتش نوائی یعنی شاعری کا راز

دریافت کرنے کا شوق ہے تو آ میرے سینے میں جھانک کر دیکھ، تجھے میرے آئینہ دل میں تقدیر کے جلوے منعکس ہوتے دکھائی دیں گے جنہیں میں الفاظ کا جامہ دے دیتا ہوں اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ تقدیر یا قضا جو شاعر کے آئینہ دل پر منعکس ہوتی ہے، کیا چیز ہے اس کا جواب بالفاظ اقبال یہ ہے۔

''دراصل تقدیر عبارت ہے اس زمانے سے جس کے امکانات کا انکشاف ابھی باقی ہے یہ گویا وہ زمانہ ہے جو علت و معلولو کی ترتیب سے آزاد ہے۔۔۔۔۔ کسی شے کی تقدیر قسمت کا وہ بے رحم ہاتھ نہیں جو ایک سخت گیر آقا کی طرح خارج سے کام کر رہا ہو بلکہ یہ ہر شے کی حد وسع ہے، یعنی اس کے وہ امکانات جن کا حصول ممکن ہے''

گویا انسان عشق سے، آنے والے واقعات کا ادراک حاصل کر سکتا ہے

اثر یہ بھی ہے اک میرے جنون فتنہ ساماں کا
مرا آئینہ دل ہے قضا کے راز دانوں میں

راز اس آتش نوائی کا مرے سینے میں دیکھ
جلوہ تقدیر میرے دل کے آئینے میں دیکھ

اقبال نے عشق و جنون یا وجدان کے علاوہ عقل اور ادراک کو بھی آئینے ہی قرار دیا ہے، اور یوں ان کے ہاں علمیاتی سطح پر یہ سوال نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے کہ وہ ان تینوں میں سے کس کو علم کا بہترین ذریعہ خیال کرتے ہیں راقم کے خیال

میں اس کا جواب یہ ہے:

''بطور شاعر اور فلاسفر، اقبال کی فکر کا فلسفے کے تین مکاتب فکر یعنی عقلیت، وجدانیت اور تجربیت میں سے کسی ایک نظریے کی روشنی میں ادراک ممکن نہیں ان کے نزدیک علم وجدان، تجربے اور مشاہدے تینوں کا امتزاج ہے اور سب مل کر ایک اکائی کی تعمیر کرتے ہیں حقیقت مطلق تک پہنچنے کے لیے سائنسی اور وجدانی زاویے کو پیش نظر رکھنا پڑتا ہے۔''

ایک ایسی ہی رائے کا اظہار جمیلہ خاتون نے بھی کیا وہ تحریر کرتی ہیں:

Iqbal cannot be clossed under any of the three schools of Philosophical thought: the empiricist, the rationalist or the intuitionist in his theory of knowledge, sense perception, reason and intuition, all are combined in an organic whole

اقبال کے مندرجہ ذیل اشعار اس امر کا واضح ثبوت ہیں کہ انہوں نے وجدان کی طرح عقل اور ادراک کو بھی آئینے قرار دیا ہے جن میں کائنات کے اسرار و رموز جلوہ فگن ہوتے رہتے ہیں۔

حادثہ وہ جو ابھی پردہ افلاک میں ہے
عکس اس کا مرے آئینہ ادراک میں ہے

کشش کا راز ہویدا کیا زمانے پر
لگا کے آئینہ عقل دوربیں میں نے

اقبال کا تصورِ علم اپنے اجزائے ترکیبی میں اعتدال اور توازن کے بغیر نامکمل رہتا ہے اس بات کی وضاحت کے لیے ہمیں خودی کے فعال و کارفرما اور بصیر و قدر آشنا پہلوؤں کی تفہیم حاصل کرنا ہوگی۔ اقبال کے نزدیک خودی کے فعال پہلو کا تعلق دنیائے خارج سے ہوتا ہے اور اسے خودی کی جلوت کا پہلو بھی کہا جاتا ہے (جبکہ خودی کے بصیر پہلو کا تعلق دنیائے داخل سے ہوتا ہے اور اسے خودی کی خلوت کا پہلو کہا جاتا ہے) عقل انسان کو جلوت کی طرف کھینچتی ہے اور عشق خلوت کی جانب اگر انسان جلوت کا ہو رہے تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کا عشق یا یہ کہ اس کا آئینہ دل دھندلا جاتا ہے اور انسان کے افکار و خیالات ابتر اور پراگندہ ہو جاتے ہیں بقول ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم:

''اقبال کے نزدیک عشق کی بہترین مثال رسول کریمؐ کی زندگی ہے جس میں خلوت و جلوت کا توازن پایا جاتا ہے عقل جلوت کی طرف کھینچتی ہے اور عشق خلوت کی جانب، لیکن زندگی کی تکمیل دونوں کے توازن سے ہوتی ہے۔''

رسوا کیا اس دور کو جلوت کی ہوس نے
روشن ہے نگہ، آئینہ دل ہے مکدر

بڑھ جاتا ہے جب ذوق نظر اپنی حدوں سے
ہو جاتے ہیں افکار پرا گندہ و ابتر

اقبال اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ انسان کا دل حسن کا آئینہ ہے اور حسن آئینہ حق ہے اس لیے جو انسان تلاش حق کی آرزو رکھتا ہے اسے اپنے دل میں حسن کی محبت پیدا کرنی چاہیے چنانچہ اقبال اپنے خورشید سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں، کاش! میرا سینہ تیرے حسن کے جلووں کا نشیمن بن جائے اور میرے آئینے میں تیرا عکس آباد ہو جائے دلچسپ بات یہ ہے کہ اقبال کی یہ آرزو بہت جلد پوری ہو جاتی ہے اور ایک بار پھر اپنے خورشید (حسن) سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں جب سے تیرا عشق میرے سینے میں آباد ہوا ہے، میرے آئینے میں نئے نئے جوہر پیدا ہو گئے ہیں اب اقبال کو معلوم ہوتا ہے کہ عشق و محبت درحقیقت ایک طرح کا غازہ ہے جسے اگر خاک سیاہ پر بھی مل دیا جائے تو وہ آئینہ بن جاتی ہے اور اس میں ہمدم دیرینہ، کا عکس پھر دکھائی دینے لگتا ہے اقبال کے نزدیک عشق و محبت سے خالی دل خاک سیاہ ہی کے مانند ہوتا ہے کیا اقبال کے یہ اشعار ان کے تاثراتی تصور عشق کے آئینہ دار دکھائی نہیں دیتے؟

تیرے جلوے کا نشیمن ہو مرے سینے میں
عکس آباد ہو تیرا مرے آئینے میں

جب سے آباد ترا عشق ہوا سینے میں

نئے جوہر ہوئے پیدا مرے آئینے میں

غازہ الفت سے یہ خاک سیہ آئینہ ہے
اور آئینے میں عکس ہمدم دیرینہ ہے

اقبال نے اپنی شاعری میں عشق سے نہ صرف دلوں کے آئینے بنائے ہیں بلکہ انہیں محفوظ رکھنے اور آلودگی سے بچانے، نیز ان کے انعکاسی عمل کو بڑھانے کے طریقے بھی بیان کیے ہیں نظریاتی عشق میں اگر جلوت کی ہوس کا ذوق نظر کی حد سے بڑھ جانا آئینہ دل کو خراب کرتا ہے تو تاثراتی عشق میں شرار آرزو کی چکاچوند اس کی چمک کو ماند کر دیتی ہے اور غبار آرزو اسے دھندلا بنا دیتا ہے، لیکن اس کے برعکس حادثات غم سے پیدا ہونے والی گرد ملال آئینہ دل کو اور بھی چمکیلا بنا دیتی ہے جس سے انسانی شخصیت کی تکمیل میں مدد ملتی ہے اقبال کے نزدیک غم کا داغ سینہ عاشق کا چراغ ہوتا ہے جس سے اٹھنے والی آہوں کا دھواں یا تو آئینہ دل کو جلا دیتا ہے یا پھر خود آئینہ بن جاتا ہے اور انسانی روح کو آرائش جمال کا موقع فراہم کرتا ہے اقبال کے خیال میں آئینہ دل جب حادثات غم سے ٹوٹ جاتا ہے تو اس کی قدر و قیمت میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے جس سے آئینہ ساز کی نگاہوں میں اپنی تخلیق عزیز تر ہو جاتی ہے اقبال کا فلسفہ غم درحقیقت دل کے آئینوں کی شکست و ریخت کی صدائے بازگشت ہی کا دوسرا نام ہے اقبال فرماتے ہیں۔

حادثات غم سے ہے انساں کی فطرت کو کمال

غازہ ہے آئینہ دل کے لیے گرد ملال

دیدہ بینا میں داغ غم چراغ سینہ ہے
روح کو سامان زینت آہ کا آئینہ ہے

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئنہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئنہ ساز میں

اقبال نے اپنی شاعری میں ایام، الفاظ اور قلوب کے علاوہ اشیائے فطرت کے آئینے بھی بنائے ہیں اپنی شاعری کے ابتدائی دور میں اقبال نہ صرف نوفلاطونی تھے بلکہ وحدت الوجود پر بھی کامل یقین رکھتے تھے جس کے تحت انہیں کائنات کی ہر شے میں حسن ازل ہی کے جلوے دکھائی دیتے تھے، بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ اس دور میں انہیں کائنات کی ہر چیز پیکر حسن معلوم ہوتی تھے جسے ہر وقت آرائش جمال کی خاطر آئینے کی ضرورت رہتی ہو چنانچہ اس ضرورت کے پیش نظر اقبال نے اپنی شاعری کے ابتدائی دور میں اشیائے فطرت کے لیے اشیائے فطرت ہی کے آئینے بنائے ہیں جن میں حسن فطرت کے علاوہ حسن خاطر کے جلوے بھی دکھائی دیتے ہیں مثال کے طور پر وہ خرام دریا کو صبح کی شفق کا آئینہ بناتے ہیں اور شام کی خاموشی کو نغمہ شام کا آئینہ قرار دیتے ہیں اسی طرح وہ پھول کی پتی کا آئینہ بنا کر بہار کے سامنے رکھ دیتے ہیں تا کہ وہ اس میں اپنے خوب صورت

رخساروں کا مشاہدہ کر سکے یا پھر بادِ بہار کو غنچہ گل کے لیے آئینہ بنا دیتے ہیں اقبال کے نزدیک جبین ماہ بھی حسن فطرت کا آئینہ ہے اس طرح اقبال کی شاعری میں کائنات ایک ''آئینہ خانہ'' کے روپ میں ظاہر ہوتی ہے جس کا آغاز بھی حیرت ہے اور انجام بھی حیرت۔

حیرت آغاز و انتہا ہے
آئینے کے گھر میں اور کیا ہے

پانی سے آئینہ سازی اقبال کا خصوصی فن ہے جس کا مظاہرہ ان کی شاعری میں جا بجا ملتا ہے کہیں پہاڑ کے دامن میں بہنے والا چشمہ اس کا آئینہ بن جاتا ہے اور کہیں پھول پانی کو آئینہ بنا کر آرائش جمال میں مصروف دکھائی دیتا ہے ایک طرف پہاڑی ندی مشاہد قدرت کو آئینہ دکھلا رہی ہے تو دوسری طرف دریا صبح کی شفق کا آئینہ بن جاتا ہے ادھر شبنم کی آرسی اور نہروں کے آئینے میں کوئی جلوہ گر دکھائی دے رہا ہے تو ادھر صنوبر، ندی کے کنارے محو زیب و زینت نظر آ رہا ہے الغرض اقبال کی شاعری میں پانی سے آئینہ سازی کا فن اپنے عروج پر دکھائی دیتا ہے پانی سے اقبال کی خصوصی رغبت کے بارے میں ڈاکٹر سید عبداللہ اپنے ایک مضمون ''اقبال کا مطالعہ فطرت'' میں لکھتے ہیں:

> ''اقبال کی ذہنی دنیا میں ایک اور چیز کو بڑی اہمیت حاصل ہے، وہ پانی ہے اس میں بھی ٹھہرے ہوئے پانی کے بجائے آب رواں ان کے لیے زیادہ باعث مسرت ثابت ہوتا ہے۔ اقبال کے ذہن کو متحرک

اور رواں دواں اشیاء سے جو لگاؤ ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ پانی کے تعلق میں بھی وہ انہی چیزوں سے زیادہ محبت رکھتے ہیں جن میں زیادہ سے زیادہ حرکت پائی جاتی ہے''

علاوہ ازیں پانی سے آئینہ سازی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انہیں پانی کی چمک آئینے کی چمک سے مشابہ معلوم ہوتی ہے بہر حال سچی بات تو یہ ہے کہ جس قدر آئینے انہوں نے پانی سے بنائے ہیں شاید ہی کسی اور شے سے بنائے ہوں جس کا ایک ثبوت اقبال کے یہ اشعار ہیں۔

چشمہ دامن ترا آئینہ سیال ہے
دامن موج ہوا جس کے لیے رومال ہے

پانی کو چھو رہی ہے جھک جھک کے گل کی ٹہنی
جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا ہو

محو زینت ہے صنوبر، جوئبار آئینہ ہے
غنچہ گل کے لیے باد بہار آئینہ ہے

آ، میں تجھے دکھاؤں رخسار روشن اس کا
نہروں کے آئنے میں، شبنم کی آرسی میں

اب دیکھنا یہ ہے کہ اقبال کی آئینہ سازی کا بنیادی محرک کون سا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اقبال کی شاعری کی تحریکی قوت جوان سے طرح طرح کے آئینے تخلیق کرواتی ہے، اس کا نام عشق ہے لیکن اقبال عشق سے کیا مراد لیتے ہیں، اس کا جواب خود ان کے اپنے الفاظ میں یہ ہے:

''یہ لفظ (عشق) نہایت وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے عشق کسی شے کو اپنے اندر جذب کر لینے اور اپنا جزو حیات بنا کر اپنا لینے کا نام ہے۔''

اقبال کے ہاں عشق درحقیقت جوش ارتقا، ذوق تخلیق، جذبہ تسخیر اور استحکام ذات ایک ہی شے کے مختلف نام ہیں وہ اپنے قاری سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں، تجھے میری شاعری میں آئینہ سازی کے جو کمال نظر آتے ہیں، وہ سب کے سب عشق کے مرہون منت ہیں اور زیر آسمان آئینہ سازی کا یہ کمال صرف سکندر ہی سے وابستہ نہیں ہے، خود تیرے سینے میں بھی آئینہ سازی کا سارا سامان موجود ہے تو بھی آئینہ ساز بن سکتا ہے لیکن اس کے لیے تجھے اپنے آئینہ دل میں جھانکنا ہوگا، یعنی جذب عشق سے اپنی خودی کا سراغ لگانا ہوگا۔

نہیں ہے وابستہ زیر گردوں کمال شان سکندری سے
تمام ساماں ہے تیرے سینے میں تو بھی آئینہ ساز ہو جا

فدا کرتا رہا دل کو حسینوں کی اداؤں پر

مگر دیکھی نہ اس آئینے میں اپنی ادا تو نے

☆☆☆☆☆☆

حوالے

1اقبالیات 88ء،ص 352

2بال جبریل ص 178

3بانگ درا،ص 72

4ایضاً 132

5بانگ درا،ص 192

6مقالات حکیم،ص 79

7تشکیل جدید الہیات اسلامیہ ص188

8بانگ درا،ص 207

9بانگ درا،ص192

10ایضاً،ص 203

11تشکیل جدید الہیات اسلامیہ، ص 212

12بال جبریل،ص 101

13مقالات حکیم،ص 71

14بانگ درا،ص 43

15اقبال کا نفسیاتی مطالعہ،ص 135

16بانگ درا،ص 150

17ایضاً،ص 266

18 تشکیل جدید الہیات اسلامیہ،ص 23

19بال جبریل صفحہ 120

20اقبالنامہ حصہ دوم صفحہ 85

21مقالات اقبال ص 78

22

23بانگ درا،ص 80

24 تشکیل جدید الہیات اسلامیہ، ص 72-77

25بانگ درا،ص 70 26ایضاً صفحہ 194

27اقبال، فکر اسلامی کی تشکیل جدید 28منتخبات اقبال ریویو (انگریزی)

ص 282 ص 43

29بال جبریل،ص 24 30بانگ درا،ص 82

31 فکر اقبال ص 324 32ضرب کلیم 93,94

33بانگ دراص 251 34بانگ درا،ص 118

35ایضاً،ص 112 36ایضاً ص 120

37بانگ درا،ص 155 38ایضاً

39ایضاً،ص 281 40بانگ درا،ص 251

41ایضاً،ص 152 42ص 149

43ص 126 44مسائل اقبال،ص 204

45بانگ درا،ص 22 46ایضاً ص 47

47بانگ درا،ص 152 48ایضاً ص 171

49مقالات حکیم ص 74,73 50بانگ درا،ص 130

51ایضاً ص 72

IqbalCyberLibrary.net All rights reserved ©2002-2006

تبصرہ کتب

اقبالیات کے چند خوشے از ڈاکٹر انعام الحق کوثر،
مبصر ڈاکٹر وحید عشرت

غالب آگہی از سید قدرت نقوی،
مبصر محمد رانجھا

آتش زیر پا از آغا شیدا کاشمیری،
مبصر محمد نذیر رانجھا

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006